13۔ وحدانیت

مست توکلی (۱۸۲۸ء۔۱۸۹۵ء)

تعارف: ۱۸۲۸ء میں قصبہ کاہان کے مقام پر پیدا ہونے والے طوق علی کو مست توکلی کے نام سے شہرت ہوئی۔ بلوچستان کا یہ شاعر صوفیانہ شاعری میں اہم مقام رکھتا ہے۔ بچپن میں بھیڑ بکریاں چرانے کے لیے نکلے تو فطرت کے ہر ذرے سے عشق کر بیٹھے۔ جلد ہی وہ عشق معراج حاصل کر گیا اور کائنات کے ذرے ذرے میں قسام ازل کا جلوہ دکھائی دینے لگا۔ ایک صوفی اور درویش شاعر ہونے کے ناطے اُن کی شاعری مصنوعی اور فرضی عناصر سے پاک ہے۔ ۱۸۹۵ء میں عازمِ سفرِ آخرت ہوئے اور اہل علاقہ نے بلبل کا خطاب دیا۔

خلاصہ: (لاہور بورڈ 2011ء، راولپنڈی 2013ء)

مست توکلی اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ تو یکتا اور بے مثال ہے۔ تاج شاہی فقط تجھے ہی زیبا ہے۔ اگر کسی پر قہر نازل کرتا ہے تو پھر تیرے ہی رعب و دبدبے کا چرچا رہتا ہے اور جب تو کسی پر رحم و کرم کی بارش برساتا ہے تو پھر تجھ جیسا مشفق اور کوئی نہیں۔ تو لوگوں کا راز دار اور قہر پر قادر ہے۔ میری دعا ہے کہ روزِ حشر بھی اپنے جلوۂ نورانی سے بہرہ ور فرمانا۔ میں سرتاپا گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں اس کے باوجود بھی میں تیری رحمتوں کا طالب ہوں۔

اشعار کی تشریح

(1)

اے خدا، تو ہے واحد و یکتا
ہے یہ شاہی فقط تجھے زیبا

حل لغت: یکتا: واحد، اکیلا، بے مثال   شاہی: بادشاہت   زیبا: زیب دینا، سجنا، خوبصورت دکھائی دینا

مفہوم: اے خدا تو واحد اور لاشریک ہے اور یہ بادشاہت تجھے ہی زیب دیتی ہے۔

تشریح:

سرزمینِ بلوچستان کی شان مست توکلی اپنی معروف نظم وحدانیت میں اللہ تعالیٰ کی ثناء اور کبریائی بیان کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا تو واحد و یکتا ہے۔ یعنی کائنات کی تمام اشیاء کا خالق و مالک و رازق صرف تو ہی ہے۔ تجھ جیسا کائنات میں کوئی دوسرا نہیں۔ تو ہر لحاظ سے لاشریک ہے۔ یہ توحید تین اقسام کی ہے۔ (1) توحید فی الذات یعنی خدا تعالیٰ کی ذات و حقیقت میں اُس کا کوئی حصہ دار نہیں، نہ وہ کسی کی اولاد ہے نہ اُس کی کوئی اولاد ہے۔ وہ بے نظیر و بے مثل ہے۔ بقولِ شاعر:

خدایا کون ہے ثانی ترا سارے زمانے میں
تو ہی تو واحد بے مثل ہے اس کارخانے میں

ارشادِ ربانی ہے۔ قل ھو اللہ احد۔ اللہ الصمد   ترجمہ: کہو اللہ ایک ہے۔ بے شک اللہ ہی بے نیاز ہے۔

دوسری قسم توحید فی الصفات ہے یعنی اللہ تعالیٰ جیسی صفات قوت، ارادہ، سمع اور بصر کسی اور کے پاس نہیں۔ انسانی بصیرت و سماعت اور قوت محدود اور معمولی ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفات لامحدود ہیں۔ انسانی صفات عطائی ہیں جب کہ خدا کی صفات ذاتی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ **لیس کمثلہ شیء** ترجمہ۔ **کوئی چیز اُس کی مثل نہیں**

توحید کی تیسری قسم توحید فی العبادات ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم عبادت و بندگی صرف اس ذات کی کریں اور کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ بنائیں اور نہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کو عبادت کے لائق سمجھیں۔

دوسرے مصرعے میں شاعر کہتا ہے کہ اے اللہ اس کائنات کی شہنشاہی کے تو ہی لائق ہے۔ یہ زمین و آسمان چاند اور

سورج، سیارے، انسان وحیوانات، چرند پرند ہر چیز پر تیری حکمرانی ہے۔ ہر چیز اے خدا تیری ہی بادشاہت کی بدولت منظم انداز سے چل رہی ہے۔ کائنات کا یہ حسنِ تدبیر تیری ہی شہنشاہیت اور قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ پتھروں میں بھی رزق دینے پر تو ہی قادر ہے۔ اے اللہ تو ہی حکمرانی کے لائق ہے۔ بقول علامہ محمد اقبالؒ:

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آزری

(2)
تو اگر قہر پہ اُتر آئے
تری سطوت کا ہی رہے چرچا

حل لغت: قہر: غصہ، غضب، جلال سطوت: رعب ودبدبہ، شان وشوکت چرچا: شہرت

مفہوم: اے اللہ عزوجل اگر تو جلال میں آجائے، تو پھر بھی تیرے ہی رعب ودبدبے کی شہرت رہے گی۔

تشریح:

شاعر نے زیرِ تشریح شعر میں اللہ تعالیٰ کی ایک اور صفت بیان کی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی باقی صفات میں یکتا ہے۔ اُسی طرح اس صفت یعنی ''قہاریت'' میں بھی یکتا ہے۔ گو کہ رحمتِ الٰہی، قہرِ الٰہی سے صد ہزار گنا عظیم تر ہے۔ لیکن پھر بھی اگر اللہ تعالیٰ جلال میں آجائے تو اس کے جلال کے سامنے ساتوں آسمان اور تمام عالم روئی کے گالے بن کر اڑنے لگیں۔ الغرض حشر بپا ہوجائے۔ بقول شاعر:

سایۂ لطف وکرم سے ہے عبارت ہستی
حشر ہوجائے جو تو مجھ سے خفا ہوجائے

روزِ حشر ہر چیز نیست ونابود ہوجائے گی، زمین وآسمان سے بھی عظیم تر فرشتے جبرائیل، میکائیل بھی فنا ہوجائیں گے۔ ملک الموت (عزرائیل) کو بھی خدا دنبے کی صورت میں ذبح کرے گا گویا موت کو بھی موت دی جائے گی۔ اسرافیل جو ناقوسِ حشر پھونکیں گے، چیخ مار کر گر پڑیں گے۔ اس روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

لمن الملک الیوم۔ (سورۃ المومن) آج کے دن کس کی بادشاہت ہے؟

ہر طرف سناٹا ہوگا پھر خدا تعالیٰ خود جواب دے گا: للہ الواحد القہار

ترجمہ۔ اُس خدائے واحد کی جو سب سے زبردست ہے

مزید برآں خدا کے غیض وغضب کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔ طوفانِ نوح کو ملاحظہ کیجیے، شیر خوار بچے، عورتیں، مرد بوڑھے تمام اس کی نذر ہوگئے۔ قوم ثمود کا کیا حال ہوا۔ تین دن چہروں کے رنگ بدلتے رہے اور ایک بادل کے کڑکے سے ساری قوم ختم ہوگئی۔ ایک نافرمان قوم کی خدا تعالیٰ نے بستی ہی الٹ دی، اگلے روز لوگ یہ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ کل تک ہنستا بستا شہر آج کہاں چلا گیا۔ کسی کو خدا نے حکم دیا ''کونو قردۃ خاسئین''۔ ظالمو! بندر بن جاؤ اور طبقہ بندروں میں تبدیل کردیا گیا۔ قوم فرعون کو بھی دیکھ لیجیے کس طرح خدا نے دریا کی گزرگاہ میں اُن ظالموں کو ڈبو دیا۔ الغرض اگر خدا غیظ وغضب پر اتر آئے تو ساری کائنات کی اُس کے سامنے ایک ذرۂ خاک سے زیادہ اہمیت نہیں۔ بقولِ الطاف حسین حالی:

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی جو ہے ابد تک وہ ہے جلال تیرا

(3)
اور اگر رحمتوں پہ مائل ہو
کوئی مشفق نہیں ترے جیسا

حل لغت: مائل ہونا: راغب ہونا، آمادہ ہونا مشفق: شفیق، شفقت کرنے والا، رحمت کرنے والا

مفہوم: اے اللہ اگر تو رحمتوں پر آمادہ ہو تو کوئی تیرے جیسا رحمت کرنے والا نہیں۔

تشریح:

زیرِ تشریح شعر میں شاعر کہتا ہے کہ اے اللہ عزوجل اگر تو رحم و کرم کی بارش برسانے پر آئے تو کوئی تجھ جیسا شفیق، رحیم اور مہربان نہیں۔ اللہ کی رحمت کا ابر جب برستا ہے تو چھپر پھاڑ کر برستا ہے۔ بلا تخصیص و بلا امتیاز اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر کسی کو ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ایک ماں سے بھی ستر گنا زیادہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے۔ تمام صفات کی طرح اللہ تعالیٰ اپنی اس صفت رحیمی میں بھی بے مثال، بے نظیر، یکتا، تنہا اور واحد ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ انسانوں کے لیے فرشتے تسبیح کے ساتھ معافی بھی مانگتے ہیں کیوں کہ اپنے اعمال کے بل بوتے پر انسان شاید کبھی جنت میں داخل نہ ہو سکیں۔ یہ تو رحمتِ الٰہی کی کرم فرمائی ہوگی کہ انسان جنت میں داخل ہوں گے۔ اپنے گناہ گار بندوں پر بھی وہ رحیم اور کریم ہے۔ بقول شاعر:

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارا نہ کیا　　پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر　　لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا

اسی طرح دنیا میں بھی ہم گناہ گاروں پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں۔ اتنی نعمتیں ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو نہ گن سکو گے

ہوا جیسی نعمت سانس کے لیے، زیرِ زمین میٹھے پانی کے چشمے، کھانے کے لیے مردہ زمین سے زندہ فصلوں کا اگنا اور کڑوے درختوں پر میٹھے پھلوں کا لگنا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہی ہیں اور ہم امتِ محمدی ﷺ پر تو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کسی بھی دوسری امت کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہیں اور سب سے بڑی نعمت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے حبیب کریم ﷺ کا امتی بنایا ہے۔

(4) قہر و رحمت پہ قادر ہے ستار　　میرا مقصد ہے بس ترا جلوا

حلِ لغت: ستار: عیب چھپانے والا　جلوہ: دیدار، نظارا　قادر: قدرت رکھنے والا

مفہوم: قہر و رحمت پر قدرت رکھنے والے اور عیب چھپانے والے! میرا مقصد صرف تیرا دیدار ہے۔

تشریح:

تشریح طلب شعر میں شاعر نے اللہ تعالیٰ کی چار صفات کا احاطہ کیا ہے۔ یعنی (i) قہار (ii) رحیم (iii) قادر (iv) ستار۔ اللہ تعالیٰ کے قہر کے سامنے کوئی بھی نہیں ٹھہر سکتا اور اس کی رحمتوں سے سب فیض یاب ہوتے ہیں۔ ہر شے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اور وہ بھی ایسا کہ "کن" کے واحد لفظ سے عالم کے عالم کی تقدیریں تبدیل کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ ستار العیوب ہے۔ یعنی لوگوں کے گناہ چھپاتا ہے اور ان کی برائیوں پر پردہ ڈالتا ہے۔ شاعر نے اس شعر میں اپنا یہ مقصد بیان کیا ہے کہ اے اللہ عزوجل میرا مدعا تیرا جلوہ ہے۔ روزِ قیامت نیک بندوں کو اللہ تعالیٰ کا جلوہ نصیب ہوگا اور گناہ گار اس سے محروم رہیں گے۔ ارشادِ ربانی ہے "بے شک یہ لوگ اپنے رب کریم کا (دیدار کرنے سے) روک دیے جائیں گے"

اور بقول شاعر:

تیرے جلوے کی آرزو ہے مجھے　　میرے مولا تیرا ہی بندہ ہوں

دراصل اکثر صوفیا نظریہ وحدۃ الوجود کے قائل رہے ہیں۔ علامہ ابن العربی کے پیش کردہ اس عقیدے کے مطابق

...ہوئی ہے اور کائنات اس کا جزو ہے۔ کائنات کے اک اک ذرے میں خدا ہی کی جلوہ گری ہے۔ جزو اپنے کل کو دیکھنے کے لیے بیتاب رہتا ہے۔ ایک صوفی بھی دیدارِ الٰہی کے دنیا ہی میں طلب گار رہے۔ بقول علامہ محمد اقبال:

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

مست توکلی بھی اسی لیے دیدارِ الٰہی کی آرزو کر رہے ہیں یا پھر دوسرے الفاظ میں وہ جنت کے طلب گار ہیں۔ کیوں کہ یہ سچ ہے کہ دیدارِ الٰہی صرف انھیں ہی نصیب ہوگا جو جنت میں ہوں گے۔ شاعر کہتا ہے کہ گو میں اس قابل نہیں ہوں۔ مگر تیری رحمتوں کے سائے میں تو آ ہی سکتا ہوں۔ کیوں کہ تیری رحمت تو بلا تخصیص گناہ گاروں کو بھی نوازتی ہے۔ بقول شاعر:

مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں
تو میرا شوق دیکھ مرا انتظار دیکھ

(5) جب قیامت کی آئے گی ساعت
دید سے اپنی بہرہ ور فرما

لغت:
ساعت: گھڑی، لمحہ — دید: ملاقات، نظارا — بہرہ ور: فیض یاب

مفہوم:
جب قیامت کی گھڑی آئے تو اللہ عزوجل مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما۔

تشریح:
زیرِ تشریح شعر میں شاعر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے جلوے کی آرزو کر رہا ہے۔ کیوں کہ قیامت کا دن وہ دن ہوگا کہ سورج سوا نیزے پر ہوگا۔ زمین لاوا بن کر پگھل جائے گی۔ پہاڑ روئی کے گالے بن کر اڑنے لگیں گے۔ زمین تپ کر تانبا بن جائے گی۔ لوگ اپنے بچوں کو بھول جائیں گے۔ ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ پھر میدانِ حشر میں حساب کتاب ہوگا۔ بچ کر نکلنا محال ہوگا۔ لوگ کٹے ہوئے دانوں کی طرح اچھلتے کودتے ہوں گے۔ کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔ صرف اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ ہوگا۔ جسے یہ سایہ نصیب ہوگا وہ سکون میں ہوگا اور اسے راحت نصیب ہوگی۔ شاعر نے یہاں دیدار کی طلب عرشِ معظم کے سائے کے حصول کے لیے کی ہے۔ بقول شاعر:

تیرا جلوہ نظر نظر دیکھوں
کوئی پردہ درمیاں نہ رہے

پھر شاعر جنت کا بھی طلب گار ہے کیوں کہ جنت ہی میں مومنین کو اللہ تعالیٰ کی لذتِ دیدار نصیب ہوگی اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو تکتے ہی رہ جائیں گے۔ برسوں دیکھتے رہیں گے لیکن یوں محسوس ہوگا کہ جیسے ابھی دیدار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے بارے میں حدیثِ قدسی میں ارشاد ہوتا ہے:

"میرے نیک بندوں کے لیے وہ (لذت) تیار کی گئی ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا گزر ہوا۔"

چناں چہ مست توکلی بھی اکثر صوفیا کی طرح اس بات کے خواہاں ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے روزِ قیامت اپنے دیدار سے نواز دے۔ بقول شاعر:

خدایا! جلد ہو روزِ قیامت
ترے دیدار کی مجھ کو طلب ہے

اسی لیے تو قیامت کی آرزو ہے مجھے
کہ تیری ذات کا دیدار اس روز ہوگا

(6) مثلِ مجنوں کے ہوں جنوں ساماں
میرا ویرانہ گھر میں ہے زیبا

لغت:
مثل: مانند — مجنوں: قیس، بنو عامر کا شخص جو لیلیٰ کا عاشق تھا
جنوں: پاگل پن، دیوانہ پن — ویرانہ: جسم — گھر: گھر

مفہوم: اے اللہ میں تیرے عشق میں مجنوں کی طرح دیوانہ ہوں اگرچہ میں سرتاپا گناہ گار ہوں۔

تشریح:

تشریح طلب شعر میں شاعر کہتا ہے کہ اے اللہ میں تیرے عشق میں قیس نامی بنو عامری شخص کی طرح دیوانہ ہوں۔ یاد رہے کہ لیلیٰ مجنوں کا حقیقی قصہ اب افسانوی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ ہماری اردو شاعری میں مجنوں کو وفاداری کا پیکر اور عشق میں دیوانگی کی حدود کو پار کرتا ہوا دکھایا جاتا ہے۔ مجنوں کو وفاداری کی علامت اور عشق مجازی کا عظیم ترین علمبردار سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہاں شاعر نے اپنے آپ کو مجنوں کہا ہے اور یہ عشق مجازی کے معنوں میں نہیں بلکہ عشق حقیقی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اے اللہ میں تیرے عشق میں اسی طرح دیوانہ ہو گیا ہوں۔ جس طرح قیس لیلیٰ کے عشق میں ہو گیا تھا۔

بقول جاوید انجم لائل پوری:

میں ترے عشق میں یوں ڈوبا ہوں　　　　جیسے لیلیٰ کے عشق میں مجنوں

دوسرے مصرعے میں شاعر کہتا ہے کہ اے اللہ میں سرتاپا گناہ سے عبارت ہوں۔ گو میں نے ساری زندگی تیری نافرمانی کی۔ ہمیشہ میں نے گناہوں کا ارتکاب کیا اور دنیائے فانی کے پیچھے لگ کر گمراہ ہوتا رہا۔

ان دونوں مصرعوں کے اشتراک سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاعر نے اپنی تمام زندگی گناہوں میں گزاری۔ لیکن اب وہ ان گناہوں پہ نادم ہے اور اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ اُس میں اب عشق حقیقی سرایت کر چکا ہے۔ دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد آخر کار ایک شخص خدا ہی کے ہاں امان پاتا ہے۔ وہی ازلی و ابدی و حقیقی پناہ گاہ ہے۔ اسی امر کا علامہ محمد اقبال نے اپنی نظم میں یوں اظہار کیا:

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی　　　　میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفوِ بندہ نواز میں

(7)　باوجودیکہ پُر ہوں عصیاں سے　　　　تیری رحمت کا پھر بھی ہے سودا

حل لغت: باوجودیکہ: اس کے باوجود کہ　عصیاں: گناہ، خطائیں　سودا: دیوانگی، جنون، شدید خواہش

مفہوم: اے اللہ عزوجل! میں گناہوں سے پُر ہوں لیکن پھر بھی دیوانگی کی حد تک تری رحمت کا اُمیدوار ہوں۔

تشریح:

فطری طور پر انسان ایسا واقع ہوا ہے کہ وہ دوسروں کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے ندامت محسوس کرتا ہے اور دوسروں کے سامنے اپنے گناہ چھپاتا ہے۔ لیکن جب انسان اللہ کی بارگاہ میں ہم کلام ہوتو وہ حقیقت سے کام لیتے ہوئے اپنے تمام گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے رحمت کا امیدوار ہوتا ہے۔ بقول شاعر:

وجہ رحمت ہوا عصیاں سے پشیماں ہونا　　　　آخر انسان کے کام آ گیا انساں ہونا

مست توکلی نے بھی یہاں اسی امر کا اظہار کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے گو کہ میں نے ساری زندگی گناہوں میں گزاری، گناہ کرنا میری سرشت میں داخل ہے اور میں مکمل طور پر گناہ کا پتلا بن چکا ہوں۔ لیکن اے اللہ عزوجل تیری رحمت سے ہرگز بھی مایوس نہیں ہوں بلکہ تیری رحمت سے دیوانگی کی حد تک مجھے امید ہے کہ اے اللہ تو میری توبہ ضرور قبول کرے گا۔ کیوں کہ خود اللہ تعالیٰ ہی کا فرمان ہے۔

لا تقنطو من رحمۃ اللہ

ترجمہ: اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔

شاعر پُر امید ہے اور اللہ کی رحمت سے ہرگز مایوس نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ تو ستر ماؤں سے بڑھ کر زیادہ مشفق ہے۔ وہ میری

...قبول کرے گا۔ کیوں کہ انسان اگر سچے دل سے اپنے گناہوں کا اعتراف کرے، نادم ہو اور آئندہ کے لیے ان سے توبہ کرے تو ...معاف کر دیتا ہے۔ توبہ کا دروازہ ہمہ وقت کھلا رہتا ہے۔ جنت کے دروازوں میں سے ایک توبہ کا دروازہ ہے جو کبھی بند نہیں ہوتا۔ ...لیے شاعر کہتا ہے کہ گو میں گناہ گار ہوں لیکن مجھے اے خدا تیری رحمت کا آسرا ہے۔

قیامت میں گناہ گاروں کو ہوگا آسرا تیرا
وہ جس کی مغفرت پر ہے بھروسا ذات ہے تیری

اور بقول شاعر:

ایسا ستار کہ جب کوئی خطا ہوتی ہے
پردۂ عفو مری جاں پہ گرا دیتا ہے

مندرجہ بالا شعر میں شاعر رحمتِ الٰہی کا طلب گار ہے اور یہ شعر عشقِ حقیقی کی ترجمانی کر رہا ہے۔

مشقی سوالات

نظم ''وحدانیت'' کے متن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے درست جواب پر صحیح کا نشان لگائیں۔

سوال 1

(i) پہلے شعر میں اللہ تعالیٰ کی کس صفت کا ذکر ہے؟

✓ (الف) وحدت و یکتائی — (ب) سطوت

(ج) رحمت — (د) شفقت

(ii) چوتھے شعر میں شاعر نے اپنے کس دلی مقصد کا اظہار کیا ہے؟

(الف) اپنی مغفرت کا حصول — (ب) اللہ کی رحمت کا حصول

✓ (ج) اللہ کے جلوے کا حصول — (د) توبہ کی توفیق کا حصول

(iii) شاعر نے اپنے پیکر کے بارے میں کیا کہا ہے؟

✓ (الف) گنہ میں ڈوبا ہوا — (ب) بہت کمزور ہے

(ج) جنوں ساماں اور لاغر ہے — (د) تمام قویٰ مضبوط ہیں

سوال 2 اس نظم کے تمام قوافی الگ الگ کر کے لکھیں۔

جواب یکتا، زیبا، چرچا، جیسا، جلوا، فرما، ڈوبا، سودا

سوال 3 اس نظم کے اُس شعر کی تشریح کیجیے جس میں تلمیح استعمال کی گئی ہو۔

جواب دیکھیے شعر نمبر 6 کی تشریح

سوال 4 اس نظم کا مرکزی خیال لکھیے، جو تین سطروں سے زیادہ نہ ہو۔

جواب اے وحدہٗ لاشریک خدا تو ہی حقیقی شہنشاہ، قہار اور عظیم ترین مشفق ہے۔ اگر چہ گناہوں سے میں لتھڑا ہوا ہوں لیکن پھر بھی تیری رحمت سے پُر امید ہوں۔

سوال 5 شاعر کو گناہ گار ہونے کے باوجود کس بات کا سودا ہے؟

جواب اللہ کی رحمت کا۔

سوال 6 نظم وحدانیت کا خلاصہ لکھیں۔

جواب دیکھیے نظم کا خلاصہ

سوال 7 ''وحدانیت'' کس شاعر کے کلام کا ترجمہ ہے۔

جواب مست توکلی۔